

پیشے کر سس کیک تھنے کے طور پر نیچے پھینک دیتی ہوں اور پھر اسی لمحے پر ہر کام کلیساوں کے گھریال نور سے بجھتے لگتے ہیں۔ ان سب میں سے کلیسا فرنٹم کے گھریال کی آواز نمایاں ہوتی ہے۔ اور پھر میں میں اپنے کرس کے درون کے پاس سو جاتی ہوں۔“

”کرس کو بے شمار پارٹیاں بھی تو ہوتی ہوں گی؟“

”ہاں ہوتی ہیں۔“ پا سکل نے بستر پر سے عکی اٹھا کر اپنی گود میں رکھ لیا اور اس پر کہنیاں نیک کر کئے گئی۔ ”مگر میں نہیں جاتی۔“
”مگر کیوں؟“

”وہی صدیوں پر انا رونا۔ مجھے کبھی کبھار لوگ بلا تو لیتے ہیں مگر میرے ساتھ کوئی لڑکا ساتھی کے طور پر جانا پسند نہیں کرتا۔“

”بڑے کور نوق ہیں پھر س کے لڑکے۔“ سنان نے ایک اور سگرٹ سلا لیا۔
”میں ان کی جگہ ہوتا تو پورے پیرس میں میری نگاہ انتخاب صرف تم پر پڑتی۔“

”سنان۔“ پا سکل بستر سے اٹھ کر کرسی کے پیچھے آ کھڑی ہوئی اور اپنے دونوں بالا اس کے کندھوں پر رکھ دیئے۔ ”میری ایک بات مانو۔“

”ہاں کہو۔“ سنان نے بے دھیانی میں پوچھا۔

”تم کر سس نیک پھر س میں ہی کیوں نہیں ٹھہر جاتے؟“

سنان نے مژکر اور دیکھا تو پا سکل کی نیلی آنکھیں اس پر جھکی ہوئی تھیں۔
”اب ستمبر کا آخر ہے۔ صرف تین مینوں کی تو بات ہے۔ تم موارت میں اپنا کام کچھوڑ کر ہمارے قلیٹ میں چلے آؤ۔ یہاں ایک کرہ بالکل خالی پڑا ہے۔ خالہ بالکل معرض نہ ہوں گی۔ پیرس کے نواح میں فاشین بلو نام کا ایک نہایت ہی خوبصورت جنگل ہے۔ ہم کر سس سے ایک روز قبل وہاں پہنچ مٹانے کے لیے جائیں گے اور ہم واپسی پر وہاں اگے ہوئے سینکڑوں کر سس کے درختوں میں سے سب سے بڑا کٹ کر ساتھ لے آئیں گے۔ اور پھر۔ ہم دونوں اس کو رنجک برلنگے تھمتوں اور۔“

جاڑوں سے اتنا بجائیں گے کہ پورے پھر میں اتنا خوبصورت کرمس کا درخت کسی
کا نہ ہو گا۔ اس پر ایک دوسرے کے لئے رنگین کاغذوں میں لپٹے تھے لٹکا دین گے
بنیں ہم نصف شب کو کھولیں گے۔ اور پھر۔۔۔ میں ایک پارٹی دوں گی جس میں
مرف ایک مہمان مدعو ہو گا۔۔۔ تم! ہم بچوں کے گائے ہوئے کرمس کے گیت سنیں
سے۔۔۔ ہمیں رات تک مدھم دھنوں پر کرمس کے درخت میں سے پھوٹنی والی ہلکی روشنی
میں رقص کریں گے۔۔۔ صبح ہو گی تو ہم دونوں دریائے سین کے کنارے چلے جائیں
گے۔۔۔ برنباری کے بعد سین کے کنارے بے حد خوبصورت لگتے ہیں۔۔۔

نان خاموشی سے سگرت پیتا رہا اور پاسکل آنے والی کرمس کے حین خیالوں
میں گم باتیں کرتی رہی۔۔۔

”اور اس کے بعد نان۔۔۔ اس کے بعد تم بے شک واپس وطن لوٹ جانا۔۔۔

ٹمک ہے نا؟“

نان کی نگاہیں کھڑکی کری کی پشت سے ہٹ کر اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔
”پاسکل میں بھی تمہاری طرح اس وقت کل کے بارے میں ٹھیں سوچتا چاہتا۔۔۔“
نان نے اپنا ہاتھ آہستہ سے اس کے رخسار پر رکھ دیا۔۔۔ میں تم سے کوئی ایسا وعدہ
کرنا نہیں چاہتا جو میں پورا نہ کر سکوں اور تمہاری دل آزاری ہو۔۔۔

”تمہیں میری دل آزاری کا اتنا خیال ہے تو میری بات کیوں نہیں مان جاتے؟“

”تمہیں پاکستانی جسمکے پن کرایی باتیں کرنا زیب نہیں رہتا۔۔۔“ نان نے موضوع
بلکے کی کوشش کی۔۔۔

”وہ کیوں؟“ پاسکل نے حریت سے اپنی ہمکھوں کو چھوٹے ہوئے پوچھا۔

”ایک پاکستانی زیور پن کر تمہیں ایک پاکستانی لڑکی طرح ہی باتیں کرنا چاہیے۔۔۔
مارے ہاں لڑکیاں اتنی آزادی سے لڑکوں کو اپنے پاس رہنے پر مجبور نہیں کرتیں۔۔۔“

”تمہارے ہاں لڑکیاں بے حد سرد مزاج ہوتی ہوں گی۔۔۔“

”حقیقت اس کے بر عکس ہے۔۔۔“

”تو پھر ان کی جذبات میں اتنی شدت پیدا نہیں ہوتی ورنہ وہ بھی بالکل محل طرح ان کا انعامار کریں۔“

”جذبات کے انعامار کے لیے اور طریقے بھی ہوتے ہیں۔“

”اور طریقے؟ — مثلاً؟“ پاسکل اس کے اور نزدیک آگئی اور اپنا منہ سنان کے پاس لا کر بڑی مضمومیت سے پوچھا۔ اس کی آنکھوں میں شرارت ناج رہی تھی۔

”مثلاً —“ سنان کا سر پیچھے ہٹنے ہٹنے کری کی پشت سے آنکھ اور وہ بالکل بولکا گیا۔ ”مثلاً —“ یہ کہ تم ایک اچھی لڑکی کی طرح یہاں سے ہٹ کر — وہاں پہنچ پڑ جا کر بیٹھ جاؤ۔“

”اور اگر نہ بیٹھوں تو؟“ پاسکل بدستور اس پر جھکی رہی۔ اس کے جھمکے سنان کی آنکھوں کے سامنے لرز رہے تھے۔

”نہیں بیٹھو گی تو میں یہاں سے اٹھ کر چلا جاؤں گا۔“ سنان نے گمراہت میں دونوں ہاتھوں سے کری کے بازو سختی سے قحام لیے۔

تم نہیں جا سکتے۔ میرے لب تمہارے راستے میں ہیں۔“

”میں نے پہلے بھی کہا ہے کہ تم ایک پاکستانی لڑکی کی طرح۔“

”میں پاکستانی لڑکی نہیں ہو۔“

”تو پھر ایک اچھی لڑکی۔“

”میں اچھی لڑکی بھی نہیں ہوں۔“ پاسکل اور قریب آتی آگئی اور پھر سنان کے آنکھوں میں اس کے جھمکے مددوم ہوتے گئے اور ان کی جگہ اس کے ہونٹ لرزنے لگے۔ فرار کے تمام راستے مسدود ہو چکے تھے۔ سیاح گھر پر کا تھا۔ اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ اس کا پورا جسم ہلکے ہلکے چکنے لگا اور ماتھے پر پینے کے قطرے ابھرے گئے۔

”ہماری پہلی ملاقات دریائے سین کے خوبصورت پلوں کے نیچے ہوئی۔ اور پھر میرے دل میں — محبت کے شعلے بھڑکنے لگے۔“

نہان نے آنکھیں کھولیں تو پاسکل اس کے سامنے موجود نہ تھی اور کمرے میں
ایک مشور فرانسیسی مینڈ کا گیت "ہیرس کے پلوں تلے" گونج رہا تھا۔

○○○

گیت ختم ہوا تو سنان کری سے اٹھ کردا ہوا۔

پاسکل کتابوں کے شیفت کے پاس کمری تھی۔ اس کی نگاہیں سنان پر تمیں اور
اس کا چڑو سرخ ہو رہا تھا۔

”تمیں یہ گیت پسند آیا؟“ پاسکل نے نظریں جھکا کر پوچھا۔

”ہاں بہت خوبصورت تھا۔ میں نے اسے پہلی بار سنائے۔“

”تم نے ایسے ۔۔۔ گیت ۔۔۔ پہلے بھی سنے ہوں گے؟“

”نہیں پاسکل۔۔۔ میں نے کہا نا پہلی بار۔۔۔“ اسے معلوم تھا کہ پاسکل مرف

گیت کے بارے میں ہی نہیں پوچھ رہی۔

”جس کرتے ہو؟“

سنان نے سر ہلا دیا۔ ”ہاں۔“

پاسکل نے شیفت پر رکھے ریکارڈ بلیزیر پر ماؤنٹ جاز کے ایک مشور مویستار
ڈیوبویک کا ایک ریکارڈ رکھ دیا اور واپس پنک پر آ کر بیٹھ گئی۔

کمری کے باہر چمکتی ہوئی سحری دھوپ اب پہلی پڑ رہی تھی۔ سنان نے دلت
ویکھا تو پائیں بجنے کو تھے۔

”ایک خوبصورت دوپہر کا اختتام۔۔۔“

”خوبصورت دوپہر کے بعد ایک خوبصورت شام بھی تو شروع ہو گی۔“

”نہیں پاسکل۔۔۔ مجھے اب چلنا چاہیے۔۔۔ ویسے بھی تمہاری خالہ آنے والی ہوں
گی۔۔۔“

”اچھا تو پھر یہ ریکارڈ فتح ہو لے پھر چلے جانا۔“

شان کا دل بھی جانے کو نہیں چاہ رہا تھا۔ وہ کرسی پر دوبارہ بیٹھ گیا۔

پیانو کی موسيقی ہلکی سروں میں بھتی رہی اور یوں باہر بکھی پیلی دھوپ ماند پڑتے پڑتے سرمنی اندر میرے میں بدل گئی۔

دروازے پر آہستہ سے دستک ہو گئی۔ پاسکل نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔

”کیا حال ہے بچو؟“

شان یہ آواز سن کر فوراً کھڑا ہو گیا۔ دروازے میں پاسکل کی خالہ کمٹی تھیں۔

”مریانی۔۔۔ شکریہ۔۔۔“ شان نے ”ظیما“ جھک کر کہا۔

”کوئوں دوپر کیسے گزری۔۔۔“

”مریانی۔۔۔“

”یہ کیا مریانی مریانی کی گردان کر رہے ہو۔۔۔“ اس کی خالہ نے نہ کہا اور آگے بڑھ کر شان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کرنے لگیں۔ ”میں اتنی کرخت طبیعت نہیں ہوں جتنی ٹھنڈی سے لگتی ہوں۔۔۔“

”اس لڑکے نے تمہیں نیک تو نہیں کیا؟“ خالہ اب پاسکل سے مخاطب تھیں۔

”بہت نیک کیا ہے خالہ۔۔۔“ پاسکل نے شوخی سے کہا۔ ”میری کوئی بات نہیں

مانگ۔۔۔“

”خیر یہ تم دونوں کا ذاتی معاملہ ہے۔۔۔“ خالہ فوراً غیر جانب دار ہو گئیں۔

”اچھا اب میں چلتا ہوں پاسکل۔۔۔“ شان نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

”پاسکل نہیں۔۔۔“ خالہ ایک دم سنجیدہ ہو گئیں۔

”میں۔۔۔“ شان نے مسکینوں جیسی ٹھنڈی بنا کر کہا۔

”تم ابھی نہیں جا سکتے۔۔۔“ خالہ نے رعب سے کہا۔ ”کھانا کھا کر جانا۔۔۔“

”بہت بہتر۔۔۔“ شان نے فوراً بات مان لی اور پچکے سے کرسی پر بیٹھ گیا۔

”پاسکل— مجھے تو بھوک نہیں۔ تم دونوں اسی کرے میں بیٹھے رہو میں کھانا لے آتی ہوں۔“

”نہیں خالہ آپ دفتر میں کام کرتے کرتے تھک گئی ہوں گی آپ آرام کریں میں خود ہی لے آؤں گی۔“ پاسکل نے آگے بڑھ کر خالہ کے دونوں گالوں پر بڑے پیار سے بوسہ دیتے ہوئے کہا۔

”جیسے تمہاری مرضی۔“ خالہ نے کرے سے باہر نکلتے ہوئے کہا اور پھر ایک دم مزکر پاسکل کے بھمکوں کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگیں۔ ”اجھے لگتے ہیں۔“ خالہ کے باہر جاتے ہی پاسکل نے دروازہ بند کر لیا۔

”تمہارا یہی علاج ہے۔ زبردستی! میں تمہیں رکنے کا کہتی تو کبھی نہ مانتے۔“ ”وراصل انہیں دیکھ کر مجھے اپنی خالہ یاد آ جاتی ہیں۔“ سنان۔ ”نہ کہا۔“ ”بو بھو ایسی ہیں۔ بات چیت میں بے حد خوفناک مگر اندر سے اتنی رقیق القلب کہ میں ایک روز بھی ان کے گھرنہ جاؤں تو رو رو کربرا حال کر لیتی ہیں۔ حالت یہ ہے کہ ابھی تک مجھے پچھے ہی سمجھتی ہیں۔ اکثر مجھے دیکھ کر کہیں گی کہ سنان تم نے آج اپنے بال اچھی طرح سے نہیں بنائے اور پھر سکھی لے کر میری ٹھوڑی تنتے ہاتھ رکھ کر بچا۔ اہتمام سے میرے بال سنوارنے لگتی ہیں۔“

”خیر۔ جناب شام کے کھانے کے لیے کیا پسند فرمائیں گے؟“

”کم از کم فرانسیسیوں کی مرغوب غذا تملے ہوئے مینڈک کھانے کا تو موڈ نہیں۔“

”اور پلے ہوئے موٹے تازے کینچوئے کے بارے میں کیا خیال ہے؟“

”آپ سے مل کر بے حد خوشی ہوئی۔“ سنان نے کرسی سے اٹھ کر دروازے کا رخ کر لیا۔

”باہر خالہ بیٹھی ہیں۔“ پاسکل نے دھمکی دی۔

”میں پلے ہوئے کینچوئے کھانے کی بجائے تمہاری خالہ کا سامنا کرنا زیادہ پش کروں گا۔“

”چھا بابا تم بیٹھو تو سی۔“ پاسکل نے ہستے ہوئے کہا اور پھر رک کر بولی
”نہیں۔۔۔ بیٹھنے سے پسلے یہ میز وہاں کھڑکی پاس رکھنے میں میری مدد کرو۔“
میز کھڑکی کے سامنے رکھنے کے بعد پاسکل نے اس پر ایک سفید میز پوش بچا دیا
اور پھر ذریںگ نیلیں کے دراز میں سے دلبی موم تباہ نکال کر میز کے دونوں سروں
پر رکھ دیں۔

”اب کی مرتبہ سگرت سلاک نے لگو تو اپنے لاٹھ سے ان موم تباہوں کو بھی روشن کر
دیتا۔“

”سانان نے جیب سے لاٹھ نکالا اور باری باری دونوں موم تباہیاں روشن کر دیں۔
”اب صرف پھولوں کے گدستے کی کسر ہے۔“ پاسکل نے میز کا جائزہ لیتے ہوئے تالی
بجا کر اعلان کیا۔

”اور خوراک کی۔۔۔“ سانان نے لقمه دیا۔

”درست۔“ پاسکل نے قریب آ کر اس کی گردان پر ہاتھ رکھ دیا۔ اس کے عزانم
ایک پاکستانی لڑکی کے نہیں تھے۔

”اب جاؤ بھی۔“ سانان نے مڑکر تیزی سے کہا۔

”جاتی ہوں۔“ پاسکل نے مصنوعی غصے سے کہا اور پھر کمرے سے نکل گئی۔
کھڑکی سے نظر آئے والے شاہ بلوط کے درخت کی اوٹ میں ایک قدیم طرز کے
کھبے کی روشنی جل اٹھی اور پیرس کی شام کے سرمنی انڈھیرے میں پھیل گئی۔ سانان
اور پاسکل کے درمیان میز پر شمعوں کے دو پیلے شعلے بڑی زماہث سے حائل ہو رہے
تھے۔ شاہ بلوط کے درختوں میں سے ہوتی ہوئی ایک نیلی خوشبو پبلو بدلتی ہوئی آتی۔۔۔
شمعوں کی لوٹھر تھراتی اور ان کا پرتو پاسکل کی نیلی آنکھوں میں جھاکنے لگتا۔ نیلی آنکھیں
بے حد اوس تھیں۔

”تم میری بات نہیں مانو گے؟“

”کون کی بات پاسکل؟“

”کر مس تک پرس میں غم رجاو!“

ننان نے پاسکل کی جانب دیکھا۔ شمعوں کی روشنی اس کے جھنکوں پر پڑ رہی تھی اور ان میں سے ستارے پھوٹ رہے تھے۔

”پاکستانی جھنکے پہن کر—“

”ہاں ہاں مجھے معلوم ہے پاکستانی جھنکے پہن کر مجھے ایسی باتیں کہنا نہیں دیتا۔ تم نے اگر پھر ان جھنکوں کی بات کی تو میں انہیں اتار کر کھڑکی سے باہر پھینک دوں گی۔“ پاسکل نے دکھ سے کہا۔

”اور تم بھی ایسی باتیں مت کرو پاسکل جن کا جواب تمیں معلوم ہے۔“ پاسکل خاموش بیٹھی روشن شمعوں کو سیکھی رہی۔

”غرباط کے درمیان ایک بلند پہاڑی پر ایک سرخ قصر الجمرا نام کا ہے۔ ہر شب وہاں چڑھاگاں ہوتا ہے۔ میں انہی چڑھاگوں کی روشنی میں بیٹھ کر الجمرا کے فواروں اور جھرنوں کی مدھم کن من سنتے ہوئے تمیں خط لکھوں گا اور ان چڑھاگوں کی لوئے یہاں پرس میں اس کھڑکی کے سامنے تمہارا خوبصورت چہرہ اور نیلی آنکھیں دکھنے لگیں گے۔“

”وہ کون سا ایسا فروں ہے جو لوگوں کو محبت ایسے جذبے کو ٹھکرا کر وہاں جانے پر مجبور کر دیتا ہے؟“

ننان نے پاسکل کے چہرے سے نظریں ہٹا کر شاہ بلوط کی اوٹ میں روشن کھجے ہے جاویں۔ وہ اس سوال کا جواب نہیں دے سکتا تھا۔

”آج تم میری کسی بات کا جواب نہیں دے رہے۔ اب میں تم سے کوئی سوال نہیں پوچھوں گی۔“ پاسکل نے نظریں اٹھا کر ننان کی جانب دیکھا جو کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا۔ وہ تھوڑی دیر خاموش رہی اور پھر آہستہ سے کرنے لگی۔ ”اگر میں اپنے نہ ہوتی نا تو میں تمہارے ساتھ ہی ہسپانیہ چل دیتی۔ پھر دیکھتی کہ تم مجھے کیسے روکتے ہو؟“

”تم اپنے آپ کو اپاچ نہ کہا کرو پاسکل۔ مجھے دکھ ہوتا ہے“ سنان نے رک کر کہا۔ ”تم بیساکھیاں کیوں نہیں استعمال کرتیں۔ شاید ان کے سارے تم بہتر طور پر مل سکو اور تمہیں تکلیف بھی نہ ہو۔“

پاسکل کی نظریں بے اختیار سنان کے چہرے سے ہٹ کر شیفت پر مرکوز ہو گئیں۔ ”تم نے شاید میری بیساکھیاں دیکھ لی ہیں؟“

”ہاں۔“

بیساکھیوں کے سارے میں یقیناً بہتر طور پر چل پھر سکتی ہوں لیکن میں ایسا جان بوجھ کر نہیں سکتی۔ ان کو کندھوں کے نیچے رکھتے ہی مجھ میں اپنے اپاچ ہونے کا احساس شدید تر ہو جاتا ہے۔ میں اب بھی ذہنی طور پر اپنے آپ کو اس تین حقیقت کے لیے تیار نہیں کر پائی۔ اسے فراہم کہہ لو مگر مجھے بیساکھیوں سے نفرت ہے۔ اس کے علاوہ میں ایک لڑکی بھی تو ہوں۔ تمہیں معلوم ہے کہ ایک عام لڑکی ٹھوکریں کھاتی پھرے گی مگر اپنی کوتاہ نظری کو دور کرنے کے لیے عنک نہیں لگائے گی۔ یہ نسوائی انا کامسلہ ہے۔ بیساکھیاں ہاتھ میں لیتے ہی میری انا کو بھی تمہیں پہنچتی ہے۔ میری صرف ختم ہو جاتی ہے۔ میں ایک اپاچ لڑکی کی بجائے صرف ایک اپاچ رہ جاتی ہوں۔“

کھڑکی میں سے ایک تیز ہوا کا جھونکا آیا اور دونوں شمعیں مغل ہو گئیں۔ کرو بالکل تاریک ہو گیا۔

”ہوا تیز ہو چلی ہے۔“ پاسکل نے اٹھ کر کھڑکی کے کواڑ بند کر دیئے۔ سنان نے جیب سے لاٹر نکالا اور شمعیں روشن کر دیں۔

”مجھے یقین ہے کہ تم کبھی نہ کبھی ضرور تند رست ہو جاؤ گی۔“ سنان نے لاٹر جیب میں ڈالا اور اپنی کری پر پہنچنے کی بجائے پاسکل کے پاس جا کھڑا ہوا۔

”مجھے معلوم ہے ایسا کبھی نہ ہو گا۔“ پاسکل کے لبوں پر حزن آئیز مسکراہٹ مکمل رہی تھی۔ ”البتہ میرے درد کے قابلے گھنٹے یا بدھتے رہیں گے اور ان کا

انخمار — خیر چھوڑو۔"

"تم اب تھک چکی ہو پاسکل۔ مجھے چلنا چاہیے۔"

"ہاں — واقعی اب میں حکمن محسوس کر رہی ہوں۔"

"شب بیٹھیں۔" سنان نے ہاتھ آگے بڑھا دیا۔

"میں تمہیں فلیٹ کے دروازے تک چھوڑ آتی ہوں۔" پاسکل کری سے انٹر کر کھڑی ہوئی۔

"نہیں — بلکہ تم ابھی میرے سامنے اپنے بستر میں لیٹ جاؤ اور آرام کرو۔" سنان نے اسے دونوں کندھوں سے کپڑ کر پلٹک پر بٹھا دیا۔

"لیکن — مجھے تو ابھی شب خوابی کا لباس بھی پہنانا ہے۔"

"قطعی ضرورت نہیں — خواہ مخواہ تحکماوٹ ہو گی — چلو۔" سنان نے بستر کی چادر ایک طرف کر دی۔ پاسکل نے ایک نخے منے پچے کی مانند اس کے حکم کی قیل کی اور بستر پر لیٹ کر چادر اوڑھ لی۔ سنان نے اس کے اوپر کمبل ڈال کر مختپتھا دیا۔

"بس — اب ایک اچھی بچی کی طرح چپکے سے سو جاؤ۔"

"بچیوں کو لوری بھی تو سنائی جاتی ہے۔" پاسکل کا موڈ پلے سے بستر ہو چکا تھا۔

"اچھی بچیاں لوری سے بغیر ہی سو جاتی ہیں۔"

"میں اچھی بچی نہیں ہوں اور لوری سے بغیر ہرگز نہیں سوؤں گی۔" پاسکل نے آنکھیں جھپکتے ہوئے دھمکی دی۔

"کون سی لوری سنو گی؟"

"وہی شزادے اور شزادی والی — شزادی جس کے سارے جسم میں سوئاں چبھی تھیں اور پھر ایک روز ایک شزادہ اس کی سوئاں لکانے آگیا۔"

سنان اس کی محضیت پر مسکراتے بغیر نہ رہ سکا۔

"پاسکل تم بے حد اچھی ہو۔"

"اور وہ لوری —"

”جانے سے پہلے شیعیں مجھ کر دوں؟“ سنان نے سنی ان سی کرتے ہوئے پوچھا۔
”میں انہیں یونہی روشن رہنے دو۔“ پاسکل نے سمجھدہ ہو کر کہا۔ ”اور جانے سے پہلے
اپنی کتاب ضرور اٹھا لیتا۔ میز پر پڑی ہے۔“
سنان نے ”نفع بیک آف نوڑڈیم“ میز پر سے اٹھا کر بر ساتی کی بڑی جیب میں
ڈال لی۔

”اچھا اب اجازت ہے؟“

”فوجہ مجھے تو یاد ہی نہیں رہا تھا۔“ پاسکل نے اپنی چادر اتار چھینگی اور اٹھ کر
مزے سے بستر پر بیٹھ گئی۔

”اور اب کیا یاد نہیں رہا؟“

”تم نے یہ تو ہتایا ہی نہیں کہ کل تم مجھے کہاں اور کتنے بجے ملو گے؟“
”کل؟“

”ہاں ہاں کل!“

”جیہیں ڈاکٹر نے مکمل آرام کا مشورہ دیا ہے۔ اس لیے کل تو نہیں البتہ پرسوں
میں خود ہی آجائیں گا۔“

”نہیں کل۔“ پاسکل نے زم تکیے پر غصے میں ایک زوردار کہہ رسید کیا اور
منہ پھلانا کر بیٹھ گئی۔

”ڈاکٹر کے مشورے کے مطابق۔“

”پلیز سنان۔“ پاسکل بچوں کی طرح گھٹنوں کے مل چلتی ہوئی پنگ کے سرے
پر آگئی اور سنان کی بر ساتی کا کار پکڑ لیا۔ ”تم اگر کل نہ آئے تو میرا درود شدت اختیار
کر جائے گا اور پھر اس کے ذمہ دار تم ہو گے۔“
”میں؟“ سنان نے حیران ہو کر کہا۔

”ہاں تم! تم آ جاتے ہو تو میں سب کچھ بھول جاتی ہوں۔ اور اگر تم کل نہ
آئے تو اتنا درود ہو گا اتنا درود ہو گا کہ بس۔“

”یہ تو بلیک میل ہے۔“

”بالکل ہے۔“ پاسکل نے برساتی کا کالر نور سے کھینچا۔ ”جگ اور محبت میں سب کچھ جائز ہوتا ہے۔“

”یہ جگ ہو رہی ہے یا محبت؟“

”باتوں؟“

”ہاں بالکل۔ میں جانتا چاہتا ہوں۔“

پاسکل نے سان کی برساتی کے کالر چھوڑ کر باہیں اس کے گلے میں ڈال دیں اور انہا چڑھو قریب لے آئی۔

”اچھا تو پھر میں کل آجائوں گا۔“ سان نے جلدی سے اس کے بانو پکڑ کر اپنے آپ کو چھڑایا۔

”برول۔“ پاسکل نے بنس کر کما اور پھر چادر اوڑھ کر بستر پر لیٹ گئی۔

”بزدل ہی سی۔“ سان نے خفت مٹانے کے لیے کما اور سنو۔ سوتے وقت یہ جھیکے اتار دیئے جاتے ہیں۔“

پاسکل نے جمعت دونوں جھیکے کانوں سے علیحدہ کیے اور سان کی جانب اچھال دیئے۔ اس نے انہیں ڈرینگ ٹیبل کے دراز میں رکھ دیا۔

”اور کچھ؟“

”کچھ نہیں۔ اب میں چلتا ہوں۔“

”کتنے بیجے آؤ گے؟“

”صح کسی وقت۔ نوبجے کے قریب۔ پھر باہر گھونٹنے چلیں گے۔ تیک ہے نا؟“

”تیک تو ہے لیکن تم بے حدست واقع ہوئے ہو۔ نوبجے کی بجائے آؤ گے؟“

بجے۔ کیوں نہ میں خود تمہیں لینے آجائوں؟“

تمہیں خواہ تباہ تکلیف ہو گی۔“

”میں تیکسی لے کر آ جاؤں گی۔ مجھے اپنا پتہ لکھ کر دے دو۔“

شان نے ایک چٹ پر اپنا پتہ لکھ دیا اور کمرے سے باہر آنے لگا۔

”ایک اور بات۔۔۔“ پاسکل نے اسے پکارا اور پھر اٹھ کر بیٹھ گئی۔

”اب کیا ہے۔۔۔“ شان نے پیچھے مڑ کر بختی سے پوچھا۔

”تم نے آج وہ تمام کام اپنے ذمے لیے ہیں جو عموماً خالہ کرتی ہیں۔ مثلاً شام کا کھانا اکٹھے بیٹھ کر کھانا۔ پھر مجھے بستر میں ناکر کمبل اوڑھانا، لوری سنانا وغیرہ۔۔۔ لیکن

ب سے ضروری بات بھول گئے ہو۔“

”اور وہ کیا ہے؟“

پاسکل نے جواب دینے کی بجائے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور لبوں کو بھینچ کر ہلکی سی جنبش دی۔ ”ہوں۔“

”اوہ نہوں۔“ شان نے سر ہلا کیا۔ ”ہمارے ملک میں یہ رواج نہیں ہے۔“

پاسکل نے پٹ سے آنکھیں کھوں دیں۔

”ہم اس وقت تمہارے ملک میں نہیں ہیں۔“ اس نے شرارت آمیز لمحے میں کما اور پھر آنکھیں موند لیں۔

شان نے اپنے لبے بالوں میں انگلیاں پھیریں اور پھر پاسکل کے پاس آ کھڑا ہوا جو بڑے مزے سے بستر پر کسی سادھو کی مانند آلتی پالتی مارے آنکھیں بند کیے ایک خصوصی یورپی شب بیٹھ کرنے کی رسم کے انتظار میں بیٹھی تھی۔ شان نے آہستہ سے اپنا ہاتھ اس کے لبوں پر رکھ دیا۔

”شب بیٹھ پاسکل۔“

پاسکل نے دونوں ہاتھوں سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ اس کی آنکھیں ابھی تک بند تھیں۔ اور پھر اپنے گرم لب اس کی ہتھیلی پر جا دیئے۔

شان نے نری سے اپنا ہاتھ پاسکل کی گرفت سے آزاد کیا اور پھر خاموشی سے چلتا ہوا کمرے سے باہر آگیا۔

شان پا سکل کے قلیٹ سے نکل کر دریائے سین کے اوپنے کناروں کے ساتھ چڑھا
ہوانیوں کے پل پر آگیا جہاں چوک سے پار ڈرام شیشن واقع تھا۔ اس نے گھری پر نظر
ڈالی۔ ابھی صرف نوبت تھے۔ اس نے ڈرام پر سوار ہونے کی بجائے پیدل ہی موارث
جانے کا فیصلہ کیا اور ایونیفاؤنڈ کے چوڑے فٹ پاٹھ پر ہولیا۔

ایونیفاؤنڈ کی لاتعداد روشنیوں، ٹرینک کے مسلسل شور اور فٹ پاٹھ پر چلے
والے لوگوں کی گفتگو میں زندگی کی ایک ایسی لہر تھی جو یورپ کے ہر بڑے شرکی
رگوں میں دوڑتی ہے گریماں پیرس میں یہ تمام آوازیں ایک نمایاں اور منفوہ حیثیت
کی حامل تھیں۔ روشنیوں کے کعبے قدیم طرز کے تھے اور ان کی روشنیوں میں
زیادہ تھی۔ ٹرینک کا شور بھی اعصاب پر اڑانداز ہونے کی حد تک بلند تھا اور
لوگوں کی آوازیں۔ یورپ کی سب سے نازک اور خوبصورت زبان فرانسیسی میں
ڈھل کر بے حد بھلی لگ رہی تھیں۔ شان نے سوچا کہ اگر اس کی آنکھوں پر پٹا
باندھ کر بھی اس شر میں لاکھڑا کیا جائے تو یہاں کے شور کی انفرات سے عیا یہ
جان جائے گا کہ وہ پیرس میں ہے۔

سامنے ”فتح کی محراب“ کی عظیم عمارت روشنیوں میں نہائی ہوئی نمائیت دل فرب
لگ رہی تھی۔ محراب کے گرد گھومتی ہوئی کاریں اور ان کی روشنیاں ایسے لگ رہی
تھیں جیسے سگ مرمر کی ایک عظیم شمع کے گرد ہزاروں پروانے دیوانہ وار طواف کر
رہے ہوں۔ ہاں یہ پیرس تھا۔ دنیا کا سب سے خوبصورت شہر۔ پیرس ایک احسان تھا۔
پروفوں احسان جو دھیرے دھیرے آپ کی روح میں سراہیت کر کے آپ کو اپنا گردیدہ

ریتا ہے اور پھر آنکھ اس شر کے ہر مظہر کو چاہے وہ کتنا ہی بد صورت کیوں نہ ہو
اہاس کی لوہیں جل کر دیکھتی ہے اور ہر طرف شوخ رنگ بکھر جاتے ہیں۔

شان نے موہارت پہنچ کر اپنے مکان کے دروازے کا پینڈل آہست سے گھمایا تو
روانہ کھل گیا۔ اس نے اطمینان کا سائنس لیا۔ وہ آج اتنی خوبصورتیوں کو اپنے اندر
بُوکر لایا تھا کہ میڈم ٹھی یا اس کی بوڑھی ماں سے دوچار ہو کر انہیں کھو نہیں دیتا
پہنچا۔ بیرونیاں ملے کر جب وہ اپنے کمرے تک پہنچا تو اس کی نظریں بے اختیار
پہنچا۔ جیسے میں کے دروازے کی طرف اٹھ گئیں۔ روشنی جل رہی تھی اور اندر سے عامیانہ تم
کی تیز امریکی وہنیوں کی آواز آ رہی تھی۔ اس نے جیب سے چابی نکالی اور قفل میں
ڈال کر گھما دی۔ اسی لحظہ ہمیشہ کی طرح ساتھ والا دروازہ کھٹ سے کھل گیا۔ جیسی
ہاتون کے باریک گاؤں میں ملبوس کھڑی تھی۔ اس کے ہاتھ میں شراب کا گلاس تھا۔
”تمہاری سخت کا جام۔۔۔“ جیسی نے گلاس فضا میں بلند کرتے ہوئے کہا۔ اس
کی آواز میں لکنت تھی۔

شان نے جواب دیتا مناسب نہ جانا اور دروازہ کھول کر اندر جانے لگا۔

”ہے“ جیسی نے پچھے سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ ”ایک خاتون تم سے
خاطب ہے مسٹر! ایک شریف خاتون۔ آداب کا تقاضا ہے کہ تم جواب دو۔“
”کیا چاہتی ہو جیسی؟“ شان نے وہیں کھڑے کھڑے رکھائی سے پوچھا۔
”میں۔۔۔“ اس نے اپنی لرزتی ہوکی انگلی شان کے سینے پر رکھ دی۔ ”میں
جیسی چاہتی ہوں۔“

”تم اس وقت ہوش میں نہیں ہو جیسی بہتری ہی کہ اپنے کمرے میں جا کر آرام
کو۔۔۔“

”میں بالکل ہوش۔۔۔ میں ہوں اور۔۔۔ میں تمہاری پاسکل کی طرح اپاچ نہیں
ہوں جو مجھے آرام کرنے کی ضرورت محسوس ہو۔“

شان کا چہو سرخ ہو گیا اور اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں اس۔۔۔ سُقی عورت

کے لیے نفرت اٹانے گی۔

”تمہیں پا سکل کے بارے میں اس حم کی باتیں کرنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا،
وہ بے حد غصے میں تھا۔“ اور پھر — جتنی تم خود بھی تو اپاچ ہو۔“

”میں اور اپاچ —؟“ جینی نے نان کی طرف اس طرح دیکھا چیزے اس کا لالا
چل گیا ہو اور پھر دو قدم پیچے ہٹ کر اس نے اپنی ڈارنگ پر سے گاؤں ہٹا دیا اور بلو
سے کرنے گی۔ ”غور سے دیکھو نسخے لڑکے — میں اپاچ نہیں ہوں۔ میری دل میں
ٹانکیں سلامت ہیں۔“

نان نے نفرت سے منہ پھیر لیا۔

”اب دیکھتے کیوں نہیں — میری ٹانکیں بے حد خوبصورت ہیں۔“
وہ اگر چاہتا تو گفتگو منقطع کر کے اپنے کمرے میں جا سکتا تھا مگر جانے کیوں اے
اس لڑکی پر ترس آنے لگا جو یہ الشی یہدی حرکتیں صرف اسے ستانے کی غرض سے کر
رہی تھی اور پھر ہوش میں بھی تو نہیں تھی۔

”پا سکل جسمانی طور پر اپاچ سی مگر تمہاری طرح داغی طور پر مفلوج نہیں۔“ نان
نے اس کی جانب دیکھے بغیر تھنی سے کہا۔ ”اب جاؤ اور اپنے کمرے میں آرام کو۔“
جینی نے اپنا گاؤں برابر کیا اور پھر اس کے قریب آگئی۔

”تمہاری صحت کا جام۔“ اس نے ایک ہی سانس میں گلاس خالی کر دیا اور اسے
نور سے اپنے دروازے پر دے مارا۔ ٹوٹے ہوئے گلاس کی گرچیاں بیڑھیوں پر کھر
گئیں۔ ”میں اپاچ نہیں ہوں۔“ وہ جینی۔

اسی وقت جینی کے کمرے کا دروازہ کھلا اور درمیانی عمر کا ایک گنجائی مرو مرف
پتلون اور بنیان میں ملبوس نگکے پاؤں باہر نکل آیا۔

”کیا ہوا جینی ڈارنگ۔“ ابھی وہ اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ اس نے ایک گندی کا
گالی دی اور وہیں فرش پر بیٹھ گیا۔ اس کے ایک پاؤں سے خون بہ رہا تھا۔
”یہ کس — نے یہاں شیشے کی کرچیاں بکھیر رکھی ہیں؟“ اس نے ایک اور گلا

”اور جیسیں سے — نے کہا تھا کہ یوں بنتے پاؤں بھاگتے ہوئے میرے کرے
بے باہر آ جاؤ۔“ جینی نے بھی وہی زبان استعمال کی اور گرج کر کما۔
سبج مردنے وہیں بیٹھے بیٹھے نفتر سے جینی کی طرف دیکھا اور زیر لب بڑیرا نے
اس کی نظر سنان پر پڑ گئی۔
”اور یہ — کون ہے؟“ اس کے لب سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ بھی نشے میں

”جیسیں اس سے مطلب؟“ جینی پھر گرجی۔
”پچاس فرائک سویٹ ہارٹ — مجھے اپنے پچاس فرائک سے تو مطلب ہے۔“
سبج نے ایک ایک لفظ چبا چبا کر ادا کیا۔
”پچاس فرائک کی ادا یا یگلی سے تم نے میری ذاتی زندگی میں دخل اندازی کا حق
نہیں خرید لیا۔“ جینی نے نیک کر کما۔ ”تم کمرے میں چلو میں آ جاتی ہوں۔“
سبج مرد بڑی وقت سے اخھا اور لنگڑا تا ہوا کمرے کے اندر چلا گیا۔
”میرا دوست ہے۔“ جینی نے سنان کی طرف دیکھ کر جھینپتے ہوئے کما۔ ”زندہ
رہنے کے لیے کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑتا ہے۔“
”ہاں“ سنان کے لبوں پر ایک طغ آمیز مسکراہٹ کھیلنے لگی۔ ”زندہ رہنے کے لیے
کچھ نہ کچھ ضرور کرنا پڑتا ہے۔“
”مجھے تو بت کچھ کرنا پڑتا ہے۔“ جینی اب قدرے ہوش میں تھی۔ اس کی
آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔ ”سان تم میرے کمرے میں تھوڑی دیر کے لیے چڑے
اکو۔“

”میں پاسکل کے گھر سے پیدل چل کر آیا ہوں اور خاصا تھک چکا ہوں۔ کل
کسی۔“ سنان کے لب میں بھی اب نہیں آچکی تھی اور جینی کو اس تبدیلی کا احساس
تھا۔

”میں آج شام تمہارے ساتھ نہایت بد تیزی سے پیش آئی ہوں۔ مجھے مل کر دو۔“ اس نے آگے بڑھ کر دونوں ہاتھوں سے نان کے کندھے تھام لیے۔ ”نان آجائو۔“

”نان کی نظریوں سے جینی کا دنیاوی روپ او جمل ہو گیا اور وہ اسے ایک ہم اور سیدھی سادھی لڑکی دکھائی دینے لگی۔ ایک اچھی اور شریف لڑکی جس نے جذبات کی شدت سے مظلوب ہو کر کوئی فاش غلطی کی ہو اور اب چچے دل سے اس پر پیشان ہو رہی ہو۔

”کوئی بات نہیں۔“ اس نے جیب سے رومان نکال کر جینی کے آنسو پر پتھر ”میں کل ضرور تمہارے کمرے میں آؤں گا۔“

”نہیں آج رات ہی۔۔۔ ابھی۔۔۔ مجھے تمہاری ضرورت ہے۔“ جینی نے ابھی کی۔

”میں نے تمہیں بتایا ہے ناگہ میں بے حد تحکم چکا ہوں اور پھر تمہارا دوست۔“ ”میرا دوست۔۔۔“ جینی کے لبوں پر ایک تیخ مسکراہٹ تھی۔ ”تم سب کو مجھتے ہوئے بھی اس جانور کو میرا دوست کہہ رہے ہو۔“

اس نے اپنے ہاتھ نان کے کندھوں سے ہٹا لیے۔ نائٹ گاؤن کی رسی کھول کر دوبارہ کسی اور آگے بڑھ کر اپنے کمرے کا دروازہ کھول دیا۔ دروازہ کھلتے ہی نائک سیڑھیوں پر کمرے میں جلتے ہوئے بلب کی روشنی پہیل گئی۔ سامنے صوفے پر وہی گنجائی لینا خرانے لے رہا تھا۔

”ہے۔۔۔ پچاس فرائک۔“ جینی نے وہیں دروازے میں کھڑے کھڑے چڑک کر

مجھا ہڑپدا کر اٹھ بیٹھا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اسے شاید کمرے کے باہر ناگزیر میں کھڑی ہوئی جینی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

”کون ہے؟“ وہ ابھی تک مکمل طور پر بیدار نہیں ہوا تھا۔

”تھماری سویٹ ہارت — پچاس فرائک“

سنجے مرد نے اپنی آنکھیں ملیں اور پھر دروازے کی طرف دیکھا جماں جینی ہیئت
پہنچ رکھے اسے گھور رہی تھی۔

”کیا ہے؟“ اس نے بنیان اٹھا کر اپنا پیٹ سمجھلاتے ہوئے جماں لے کر پوچھا۔

جینی نے جواب میں پورا دروازہ کھول دیا۔

”کیا مطلب؟“ مجنہا صوفی سے اٹھ بیٹھا۔

”دفع ہو جاؤ“ جینی دھاڑی۔

مجنہا ایک دم ہوش میں آگیا اور غصے سے کہنے لگا۔ ”لیکن میرے پچاس فرائک
— اسی تو۔“

جینی نے گاؤں کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور دس دس فرائک کے چار نوٹ نکال کر
سنجے کی طرف پھینک دیے۔

”میں نے دس فرائک شراب کے کاٹ لیے ہیں — اب دفع ہو جاؤ۔“ کھیل
ختم۔“

سنجے نے ایک قبر آلود نظر جینی کے پیچھے کھڑے ہوئے سنان پر ڈالی اور پھر قالین
پر بیٹھ کر اپنے نوٹ چلنے لگا۔ نوٹ جمع کر کے اپنی چلوں کی پچھلی جیب میں اڑ سے اور
پھر بے شینی کے عالم میں اپنا مجنہا سرہلاتا ہوا باہر آگیا۔ سیرہیوں پر قدم رکھتے ہی اس
نے پھر ایک گندی سی گالی دی اور وہیں بیٹھ گیا۔ بے وہیانی یا نشے میں اسے ایک
مرتبہ پھر وہاں پر یکھری کر چھویں کا خیال نہ رہا تھا۔

”آؤ سنان۔“ جینی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کما۔

سنان اس ڈر سے کہ جینی پھر سے کوئی ہنگامہ برپا نہ کر دے چکے سے اس کے
ساتھ کھرے میں آگیا۔

جینی دروازہ بند کرنے لگی تو سیرہیوں پر بیٹھا ہوا مجنہا غصے سے کہنے لگا۔

”میرے جو تے اور کوٹ تو واپس کر دو — سویٹ ہارت!“